© rasailojaraid.com

پاکستان میں بین الاقوامی سیرت کانفرنس

اور

میرے مشاہدات و تاثرات

(۸)

سعید احمد اکبر آبادی

۱۴ مارچ کو کانفرنس ختم ہو گئی، لیکن ۱۵ کو دو پروگرام اور تھے جو کانفرنس کے سلسلہ میں ہی تھے چنانچہ امپریل بازار میں پیارے میاں جو اصل شاہجہان آباد (اترپردیش) کے رہنے والے تھے، اور اب کراچی کے بڑے صنعت کاروں میں ہیں، اُن کی طرف سے لنچ تھا، شام کو عصرانہ جمعیت پنجابی سوداگران، دہلی کی طرف سے تھا، یہ جمعیت اپنی سلور جوبلی منا رہی تھی، مندوبین بھی اس میں مدعو تھے۔ ان کی خوب آؤ بھگت ہوئی اور ہر مندوب کو تحائف دیئے گئے اس موقع پر جن حضرات نے تقریریں کیں ان میں نمایاں امام حرم شیخ عبداللہ بن سبیل، مولانا کوثر نیازی، مولانا ظفر احمد انصاری اور مولانا احتشام الحق تھانوی تھے، لیکن سب سے زیادہ موثر، پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر مولانا کوثر نیازی کی تھی، ان کا روئے سخن دراصل حکومت کے ان نکتہ چینوں اور مخالفین کی طرف تھا جنھوں نے کانفرنس کی نسبت پبلک میں طرح طرح کی غلط باتیں مشہور کر رکھی تھیں، مثلاً یہ کہ پاکستان میں اگلے سال جو انتخابات ہونیوالے ہیں اُن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے زمین ہموار کرنا اور نیشنل پارٹی جس سے مسٹر بھٹو کا تعلق ہے اور جو پاکستان کی حکمران پارٹی ہے اس کے لئے ووٹ حاصل کرنا کانفرنس کا مقصد ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے مولانا کوثر نیازی اعلیٰ درجہ کے خطیب اور مقرر ہیں، انھوں نے اس موقع پر اپنی خطابت کا پورا مظاہرہ کیا اور اس جوش وخروش سے تقریر کی کہ پسینہ پسینہ ہوگئے، پورا مجمع کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِہِمُ الطَّیر کا مصداق تھا۔

مولانا کوثر نیازی کی تقریر

مولانا نے اسلام کے محامد و محاسن اور اس کی تعلیمی خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے بعد کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح کی سیرت کانفرنسوں سے کیا ہوتا ہے، اہمیت اور ضرورت تو عمل کی ہے، بیشک یہ صحیح ہے کہ ضرورت عمل کی ہے، لیکن عمل کے لئے کسی محرک کی اور لوگوں میں ذہنی بیداری اور دلوں میں حرارت ایمانی اور ولولۂ وجوشِ عمل پیدا کرنے کی ضرورت بھی تو ہے ہم نے یہ کانفرنس منعقد کر کے اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کی ہے، دو ہفتہ تک پاکستان کی پوری فضا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک اور آپ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کے تذکار و بیان سے گونجتی رہی ہے لاکھوں انسانوں نے امام حرم کی امامت میں جوش وخروش سے نمازیں ادا کی ہیں تو کیا یہ عمل نہیں ہے؟ کیا اس سے مسلمانوں میں جوشِ ایمانی پیدا نہیں ہوا، کیا کانفرنس نے ان کو یہ یاد نہیں دلایا کہ وہ کون ہیں اور انھیں اپنے عمل، اخلاق اور کیرکٹر کے اعتبار سے کیسا ہونا چاہئے، ہم نے یہ کانفرنس منعقد کر کے ایک مستقل تحریک سیرت شروع کی ہے جو تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی اور منفرد کوشش ہے، ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ سیرت مبارکہ کا پلیٹ فارم ہی اس زمانہ میں ایسا پلیٹ فارم ہو سکتا ہے جس پر دنیا کے سب مسلمان اپنے باہمی اختلافات کے باوجود یکجا مجتمع ہو سکتے ہیں اور دوسری قومیں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ وہ مینارۂ حق و صداقت ہے کہ جو لوگ قرآن کو کلام الٰہی نہیں مانتے اور اسلام کے حلقہ بگوش نہیں ہیں وہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے عمل و کردار کا ذکر سنتے یا پڑھتے ہیں تو عقیدت و ارادت سے ان کے سر بھی جھک جاتے ہیں اور ان کی زبانیں بھی مدح و ثنا میں گویا ہو جاتی ہیں، جیسا کہ اس کانفرنس میں مشاہدہ کیا گیا۔ سیرت ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ دنیا کو اسلام سے قریب لایا جاسکتا ہے اور اسی راہ سے اقامتِ دین بھی ہو سکتا ہے دنیا کے مختلف نظام ہائے زندگی کا تجربہ کر کے دیکھ لیا کہ اسے کہیں چین، امن و امان اور سکھ نہیں ملا۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں کہ اگر اس کو سیرت کے ذریعہ اسلام کے نظامِ زندگی سے واقفیت پیدا ہو تو وہ اسے اپنے درد کا درمان سمجھ کر قبول نہ کرے، ہم نے جو مستقل تحریک سیرت شائع کی ہے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی، اور خدا نے چاہا تو آئندہ صدی اسلام کی صدی ہوگی یعنی اس صدی میں اسلام کو غلبہ ہوگا، اس کے نظامِ فکر و عمل کا جھنڈا اونچا ہوگا اور دکھوں اور درد و الم کی ماری دنیا اس کے دامن میں پناہ لینے کے لئے دوڑے گی، لوگ پوچھتے ہیں: ہماری ثقافت کیا ہے؟ لاکھوں انسانوں نے امامِ حرم کے پیچھے نماز پڑھ کر بتا دیا ہے کہ ہماری تہذیب کیا ہے؟ یعنی!

دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر اینست

واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی تقریر نے سماں باندھ دیا اور چونکہ یہ تقریب بھی کانفرنس کا ایک جز تھی اس لئے سمجھنا چاہئے کہ اس تقریر پر کانفرنس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

عشائیہ اس وقت ڈنر بھی جمعیت پنجابیان دہلی کی طرف سے مہران ہوٹل میں تھا۔ اس ڈنر میں مقامی حضرات بھی بڑی تعداد میں موجود تھے، چنانچہ متعدد احباب جن سے اب تک کانفرنس میں یا اُس کے باہر کہیں ملاقات نہیں ہو سکی تھی، کیونکہ وہ کہیں نظر ہی نہیں آئے، اُن سے یہاں ملاقات ہوگئی، انھیں دوستوں میں جناب (اور اب) مولانا ماہر القادری ہیں، موصوف برصغیر انڈو پاک کے بلند پایہ اور ممتاز شاعر کی حیثیت سے آسمانِ شہرت پر طلوع ہوئے، تقسیم کے بعد جب یہ پاکستان منتقل ہو گئے تو ان کا تعلق جماعت اسلامی سے ہو گیا، اپنے ہم عصروں میں

© rasailojaraid.com

روش صدیقی مرحوم کی طرح طبیعت کے ہمیشہ سے نیک اور صالح تھے، چنانچہ بمبئی کے توبہ شکن ماحول میں برسوں رہنے کے باوجود وہ "بے سجادہ رنگین کن" کے کبھی قائل نہ ہوئے، کراچی پہونچنے کے بعد ان کا یہ رنگ اور نکھرا اور اب شعر سے زیادہ انھوں نے نثر پر توجہ کی، فاران جہان کا ماہنامہ ہے اس کو "اسلامی ادب" کا ترجمان کہنا چاہیے۔ ان کی شاعری جو پہلے حسن وشباب کی شاعری تھی اب وہ چولا بدل کر حکمت ہوگئی، اور انھوں نے تنقیدی مضامین میں اصلاح زبان وبیان پر اس شدت سے زور دیا کہ بڑے بڑے مصنف اور ارباب قلم بھی اس کی زد سے نہیں بچے، جب تک وہ یہاں تھے ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ تقسیم کے بعد یہ ان سے پہلی ملاقات تھی اور وہ بھی نہایت روا روی میں، اگرچہ اب ان کی ہیئت اور وضع میں کافی فرق ہوگیا ہے، لیکن جب انھوں نے محبت آمیز لہجہ میں السلام علیکم کہنے میں سبقت کی تو مجھے ان کو پہچان لینے میں ذرا دیر نہیں لگی، تقسیم سے کچھ دنوں پہلے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون جو شعر وشاعری کا اچھا ذوق رکھتی تھیں میرے ہاں مقیم تھیں، ایک دن میں نے ان کی فرمائش پر مولانا ماہر القادری کو اپنے گھر مدعو کیا اور موصوف نے اپنا کلام سنایا، اب اس وقت ماہر القادری صاحب سے ملاقات ہوئی تو مجھے سخت حیرت ہوئی کہ تیس برس کے بعد انھوں نے اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے بڑی بے ساختگی سے کہا کہ "بس ہماری آخری ملاقات اس وقت ہوئی تھی" مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا کل کی بات ہے، اس سے طیّ زمان کا عقدہ بھی حل ہوجاتا ہے۔

مہران ہوٹل سے رخصت

یہ ڈنر کانفرنس کی آخری تقریب تھی اس کے بعد مندوبین ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ میں نے شب ہوٹل میں بسر کی اور دوسرے دن یعنی ۱۶ مارچ کو صبح ناشتہ کے بعد مونا آگئے اور میں ہوٹل سے رخصت ہوکر ان کے ساتھ گھر آگیا، یہ مکان کراچی کے سول لائن میں ہے جسے کوئنز روڈ لالہ زار کہتے ہیں، مکان طرز جدید کا کافی وسیع اور کشادہ ہے، چونکہ اب صرف مزید پانچ دن قیام کا ارادہ تھا، اس لئے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ کوئی بیرونی مصروفیت قبول نہیں کروں گا۔ اور خاموشی سے اپنے بچوں میں اور اعزا و اقربا اور چند احباب سے ملنے ملانے میں یہ دن گذاردوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا بھی، متعدد اداروں کی طرف

© rasailojaraid.com

سے تقریر کی فرمائش ہوئی لیکن میں نے معذرت کر دی اور چونکہ عذر معقول تھا اس لئے کسی نے برا نہیں مانا۔

حیدر آباد کا سفر

باایں ہمہ عہد و پیمان حیدر آباد سندھ کا سفر کرنا پڑا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ حیدر آباد سندھ میں کئی روز سے سیرت کانفرنس ہو رہی تھی، ہم لوگ ابھی پشاور میں تھے کہ وہاں حیدر آباد کے ایک نہایت معزز بزرگ مولانا سید محمد ہاشم صاحب فاضل شمسی کا ایک خط حکیم محمد سعید صاحب کے نام پہونچا کہ سعید احمد اکبر آبادی کی تقریر سننے کے لئے حیدر آباد کے لوگوں کا بڑا اصرار ہے اس لئے آپ ان کو یہاں آنے پر آمادہ کر دیجئے۔ حکیم صاحب نے مجھ سے پوچھے بغیر مولانا کی دعوت کو میری طرف سے قبول کر لیا اور ان کو اطلاع دے دی، بعد میں حکیم صاحب نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تو طبعاً مجکو ناگواری تو ہوئی لیکن حکیم صاحب کی مروت میں اسے پی گیا اور ہاں کر لی اور پھر خیال ہوا کہ اس بہانہ پاکستان کا ایک مشہور شہر بھی دیکھ لوں گا جو اب تک نہیں دیکھا ہے۔

کراچی آکر حیدر آباد کے حضرات ۱۴ر تاریخ کو بات پکی کر گئے اور پروگرام سے مطلع کر گئے تھے اس کے مطابق ۱۶ر کی شام کو چار بجے ایک صاحب حیدر آباد سے کار لیکر پہونچے اور میں اپنے لڑکے جنید کے ساتھ روانہ ہوا، سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب بھی مدعو تھے، راستہ میں ناظم آباد سے انھیں لیا، کراچی سے حیدر آباد کا راستہ کار سے تین ساڑھے تین گھنٹہ کا ہوگا، سڑک چوڑی، نہایت پختہ اور صاف ستھری، شام کا سہانا وقت، موسم خوشگوار اور فضا کھلی اور نشاط انگیز، اور پھر سید صاحب کی رفاقت جو بڑے اچھے گفتگو باز (Conversationalist) اور دلی دوست ہیں، ان سب باتوں کی وجہ سے کانفرنس کے پروگراموں میں جکڑے رہنے کے باعث طبیعت میں طائر زیر قفس کی مانند جو گھٹن پیدا ہوگئی تھی وہ کافور ہوگئی اور یہ سفر اک طرح کا پکنک ہوگیا، مغرب کے قریب اک رستوران آیا تو وہاں کچھ دیر ٹھہر کر چائے پی۔ ساڑھے سات آٹھ بجے حیدر آباد پہونچے، مولانا سید محمد ہاشم فاضل شمسی اور بعض حضرات نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استقبال کیا، سید صاحب کا قیام اُن کے ایک عزیز کے ہاں تھا، میرا قیام جلسگاہ کے قریب نامکمل تو تعمیر شدہ مکان میں ہوا۔ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد کھانا کھایا اور پھر ہم لوگ جلسہ گاہ میں پہونچ گئے، مجمع بہت بڑا تھا۔ مہاجرین کی آبادی کے اعتبار سے کراچی کے بعد حیدر آباد کا دوسرا نمبر ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم لوگ دہلی یا لکھنؤ کے کسی جلسہ گاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہاں کچھ زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پہونچتے ہی ایک مختصر تعارفی تقریر کے بعد میری تقریر شروع ہوگئی جو کم وبیش ایک گھنٹہ کی ہوگی، میرے بعد سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کی تقریر ہوئی جس کو پاکستان کی سیرت کانفرنس پر ایک تبصرہ کہنا چاہیئے، موصوف تقریر وخطابت کے مرد میدان کبھی نہیں رہے، تقریر بھی گفتگو کے انداز میں بذلہ سنجی اور شگفتگی بیان کے ساتھ کرتے ہیں جس سے سامعین محظوظ ہوتے اور لطف لیتے ہیں، ایک مرتبہ کراچی میں ایک مقام پر میں اور صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ساتھ کھڑے تھے اتنے میں امام حرم تشریف لے آئے، اُن کا آنا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے ان کے دیدار کے لئے دیوانہ وار دوڑ پڑے، سید صاحب پر اس منظر کا بڑا اثر ہوا، کہنے لگے: "اللہ اکبر! مقبولیت کا کیا عالم ہے!" میں نے برجستہ کہا: "یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس محبت اور عقیدت وارادت کا جو ہمہ قسم کی معصیت کوشی کے باوجود ہر مسلمان کے قلب میں سرزمین حجاز کی خاک قدس کے لئے پنہاں ہے، چنانچہ امام حرم تو امام حرم! ابھی اگر کراچی میں یہ خبر اڑ جائے کہ یہاں مدینہ کی گلی کا ایک کتا دم ہلاتا اور لوگوں کو مسترحانہ لگاہوں سے دیکھتا یہاں پہونچ گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ لاکھوں مسلمان آناً فاناً میں اس کتے کو دیکھنے کے لئے لپک پڑیں گے۔" یہ بات سید صاحب کے دل کو لگ گئی، اس وقت تو وہ خاموش رہے، لیکن اپنی اس تقریر میں میرے حوالہ سے انھوں نے میرے یہ فقرے بھی دہرائے، لیکن میں نے یہ بات اپنے انداز میں کہی تھی، سید صاحب نے یہ بات پیکر جذبات بن کر گلوگیر آواز، مرتعش لب، چہرہ پر تمتماہٹ، آنکھیں پرنم، "مدینے کے کتے" پر زور اور گردن کو تھوڑا سا خم دیکر اور ہاتھوں کو گھما کر جو کہی تو سامعین پر جذب وجد کا عالم طاری ہوگیا اور بہت سے لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے منہ سے چیخ نکل گئی، اور کیوں نہ ہو! سرکار دو عالم کے نام نامی اور اسم گرامی کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ؎

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس طرح سے جینے کو کہاں سے جگر آوے

سید صاحب نے اس کے بعد کہا کہ پاکستان کی بین الاقوامی سیرت کانفرنس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

اس کے بعد جلسہ ختم ہو گیا تو جلسہ گاہ سے بہت سے حضرات میرے ساتھ قیام گاہ پر آئے، میں نے سب کے ساتھ چار پی، ان حضرات کے رخصت ہونے کے بعد میں لیٹنے لگا تو مولانا شمسی نے پوچھا: کوئی ضرورت! میں نے عرض کیا: صرف اس قدر کہ میں علی الصباح اٹھکر چائے کی ایک پیالی پینے کا عادی ہوں اس کا انتظام کر دیجئے، خادم موجود ہی تھا انھوں نے اُس سے کہدیا، اور ٹھیک چار بجے جب میں اٹھا تو چائے تیار تھی، صبح ناشتہ پر بہت سے حضرات تھے، یہ سب اتر پردیش اور بہار کے اصل باشندے تھے، ان میں گورنمنٹ آفیسر اور اردو زبان کے شاعر اور ادیب اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اصحاب بھی تھے، یہ حضرات برہان اور میری کتابوں سے واقف تھے، بلکہ بعض حضرات نے بیان کیا کہ انھوں نے ہندوستان میں اِدھر اُدھر میری متعدد تقریریں بھی سنی ہیں، دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ کراچی کی واپسی کے لئے جب میں اور جنید کار میں بیٹھے تو پہلے سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کو ان کی قیام گاہ سے لیا پھر میں نے کہا کہ افسوس ہے کہ آج سندھ یونیورسٹی بند ہے، ورنہ وہاں ضرور جاتا، اب کم از کم حیدر آباد میں گھوم پھر کر اس کا ایک نظارہ تو کرا ہی دیجئے، چنانچہ یونیورسٹی اور کالجوں اور یہاں کے دوسرے قابل دید مقامات پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے ہم لوگ حیدر آباد سے رخصت ہو گئے۔

طلباء کے ایک وفد سے ملاقات | دو بجے کے قریب گھر پہونچا تین بجے ہوں گے کہ چند طلباء کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک وفد آگیا، ان حضرات نے صبح ٹیلیفون پر ملاقات کی درخواست کی تھی اور مسعود صاحب نے حیدرآباد سے میری متوقع واپسی کا وقت بتا کر ان سے آنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ علیک سلیک اور مزاج پرسی وغیرہ کے بعد ان سے بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی۔

سیرت کانفرنس کی نسبت میرے تاثرات

انھوں نے پوچھا: سیرت کانفرنس کا دعوت نامہ آپ کو براہ راست ملا تھا یا گورنمنٹ آف انڈیا کی معرفت۔

میں نے جواب دیا: دعوت نامہ براہ راست میرے نام سوئز ایمبیسی کی معرفت آیا تھا۔ میں نے وزارت خارجہ کو لکھا انھوں نے فوراً بڑی خوشی سے اجازت دے دی، ساتھ ہی مجھے یہ معلوم ہوا کہ اگر دعوت نامہ گورنمنٹ کی معرفت آتا تو گورنمنٹ خود اپنا ایک وفد بھیجنے کے لئے تیار تھی اور اس صورت میں آمد و رفت کا سارا خرچ گورنمنٹ برداشت کرتی۔ اب انھوں نے سوال کیا: "کانفرنس کی نسبت آپ کے تاثرات کیا ہیں"۔ میں نے کہا: "سیرت کانفرنس بہت کامیاب رہی ہے اور اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا"۔ میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک نوجوان نے فوراً کہا: "لیکن کانفرنس کا مقصد تو آیندہ الکشن جیتنا اور عوام کو دھوکا دینا ہے"۔ یہ سن کر مجھے طیش آگیا اور میں نے ذرا بلند آواز میں کہا: جتنے اچھے کام ہیں خواہ وہ مذہبی ہوں، یا سماجی، سیاسی یا تعلیمی وغیرہ ان کا سیاست پر لازمی اثر پڑتا ہے خواہ ان کا براہ راست مقصد سیاست ہو یا نہ ہو، تو پھر کیا آپ کا مقصد یہ ہے کہ ارباب سیاست کو کوئی اچھا کام اس ڈر سے کرنا ہی نہیں چاہیے کہ لوگ اس کا مقصد سیاست سمجھیں گے؟ مجھے یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے کہ آپ اسلام کے علمبردار ہیں، لیکن آپ نے اپنے چند مخصوص نظریات و افکار کے علاوہ اسلام کی تمام اخلاقی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک شخص نے اسلام کے ایک شدید دشمن اور کافر کو اس وقت بھی قتل کر دیا تھا جب کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرما کر اس شخص سے باز پرس کی۔ اس نے جواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا: حضور! اس نے تو تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا: ھَلاَّ شَقَقْتَ قَلْبَہٗ "تو پھر تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا" غور کیجیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دو لفظی ارشاد میں حکمت و موعظت کے کتنے بیش بہا گوہر پوشیدہ ہیں اور حسن معاشرت کا کس درجہ اہم اصول آپ نے ایک مختصر سے جملے میں بیان فرمادیا ہے، اس سلسلہ میں آپ کا وہ ارشاد بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا: ولا تجسسوا اعمال الناس یعنی کوئی شخص اپنے گھر میں کیا کرتا ہے، تم اس کی ٹوہ مت لیا کرو، یہ مختصر سا جملہ بھی ایک بہترین اور اعلیٰ اصولِ حسن معاشرت کا حامل ہے کیونکہ اگر ٹوہ لینے کا سلسلہ شروع ہو گیا تو سوسائٹی کا نظم و نسق درہم و برہم ہو کر رہ جائے گا، اولاد کو ماں باپ پر، طلبا کو استاذ پر، عوام کو لیڈر پر، مریدوں کو شیخ پر، بیوی کو شوہر پر، غرض کہ کسی کو کسی پر اعتماد اور بھروسہ نہیں رہ جائے گا اور پھر کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے پر آمادہ نہیں ہوگا، میں نے کہا: حضور کے یہ دو قول تو میں نے بہ طور نمونہ سنائے ہیں ورنہ کتب احادیث آپ کے اس ہی جیسے اقوال اور اُن کے مطابق آپ کے اعمال و افعال کے ذکر سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر دنیا ان اقوال کو اپنالے اور ان پر عمل پیرا ہو تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ جہنم کدہ ایک جنت ارضی میں تبدیل ہو سکتا ہے، لیکن دنیا کو ان گوہر ہائے آبدارِ حکمت سے کیا واسطہ! جب ہمارے مدارس عربیہ میں ہی ان کی اہمیت نہیں ہے اور وہاں سارا زور فقہ کے جزئی مسائل و مباحث پر ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید کو دیکھئے، اس میں بھی اس سلسلہ کی کس قدر اعلیٰ تعلیمات ہیں، ارشاد ہوا: ان بعض الظن اثمٌ بے شبہ بعض ظن و تخمین کی باتیں گناہ ہیں، ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً بے شبہ ظن حق اور سچائی کا ذرا بھی فائدہ نہیں پہونچاتا، پھر حکم دیا گیا وظنوا بالمومنین خیراً اور مومنوں کے ساتھ حسن ظن ہی رکھو، ایک جگہ متنبہ کیا گیا: ولا تقف ما لیس لک بہ علمٌ یعنی جن چیزوں کا تم کو علم نہیں ہے ان کے پیچھے مت پڑو، ایک مقام پر فرمایا گیا: ولا یغتب بعضکم بعضاً خبردار! ایک دوسرے کی کوئی پیٹھ پیچھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدگوئی نہ کرے، میں کہاں تک گناؤں، آپ خود قرآن پڑھتے ہیں ان سے اور ان جیسے دوسرے احکام اللہ اوامر و نواہی سے واقف ہوں گے، مگر افسوس! آج مسلمانوں کا حال کیا ہے، بڑے بڑے نماز روزہ کے پابند اور حج کرنے والے مسلمان بھی ان تعلیمات کی پروا نہیں کرتے، ہوا و ہوس کے گھوڑوں پہ اڑتے اور اپنی ذاتی رغبت و نفرت کی ہواؤں کے رخ پر چلتے ہیں جس سے ذرا ناراض ہوئے اسے تحت الثریٰ میں پہونچا دیا اور جس سے کسی بات پر خوش ہوئے اسے ثریا پہ لے جاکر بٹھا دیا: "وائے گر در پسِ امروز بود فردا ئے"۔ اتنے میں چائے اپنے لوازم کے ساتھ آگئی اور میں نے محسوس کیا کہ میری تقریر بے اثر نہیں رہی ہے تو میں نے چائے سے تواضع کرتے ہوئے اپنا لب ولہجہ نرم کیا اور پھر کہا: عزیزانِ من! آپ نوجوان ہیں، آپ پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ آیندہ قوم کی تعمیر و ترقی کا بارگراں آپ کو ہی اٹھانا ہے، آپ کو سمجھنا چاہیئے کہ قومیں انتشار ذہن وفکر اور پراگندگی خیال سے نہیں بنتی، ایک کیرکٹر، اعلیٰ کردار، متوازن فکر اور جہد و عمل مسلسل سے بنتی ہیں، اگر آپ آیندہ الکشن میں مسٹر بھٹو اور ان کی کابینہ کو ووٹ دینا نہیں چاہتے تو آپ آزاد ہیں، کوئی جبر نہیں، لیکن یہ تو نہ ہونا چاہیئے کہ گورنمنٹ نے جو اچھی باتیں کی ہیں یا کر رہی ہے آپ اُن پر بھی خاک ڈالنا شروع کر دیں، کوئی قدم اٹھانے سے پہلے انسان کو سنجیدگی فکر کے ساتھ اپنا موقف متعین کرنا اور اس کے اچھے اور برے پہلوؤں پر اچھی طرح غور و فکر کر لینا چاہیئے، میں سیاسی آدمی نہیں ہوں، اور نہ مجھے آپ کے ملک کی سیاسیات پر کچھ بولنے کا حق ہے البتہ ایک طالب علم کی حیثیت سے میں وہی بات کہہ سکتا ہوں جو ایک عالمگیر اصول معیشت ومعاشرت کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ بھی قرآن مجید اور سیرت مقدسہ کی روشنی میں۔

دوسرا سوال اب انھوں نے ایک سوال اور کیا اور وہ یہ کہ اچھا! لاہور میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور کراچی میں مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا احتشام الحق تھانوی کیوں کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے، میں نے جواب دیا کہ اول تو شخصی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لات مجھے ناگوار ہوتے ہیں، میں افراد و اشخاص کو موضوع بحث بنانا پسند نہیں کرتا، ہمیشہ اصول سے سروکار رکھتا ہوں، پھر اس کا تعلق سیرت کانفرنس کی مجلس منتظمہ سے ہے، مجھے کیا خبر کہ انھوں نے کس کو بلایا تھا اور کس کو نہیں بلایا اور اگر کوئی نہیں آیا تو کیوں نہیں آیا۔ علاوہ ازیں کراچی میں اگرچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علالت کے باعث خود شریک نہیں ہوئے لیکن انھوں نے مقالہ بھیجا تھا جس کو ان کے فرزند رشید مولانا محمد تقی عثمانی نے پڑھکر سنایا تھا اور خود مولانا محمد تقی اجلاس میں برابر شریک رہے، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کو بھی میں نے ایک دو مرتبہ کانفرنس میں دیکھا، مولانا احتشام الحق کو اگرچہ کانفرنس میں نہیں دیکھا لیکن وہ دو استقبالیوں میں شریک تھے اور انھوں نے تقریر بھی کی تھی، اور ایک بات یہ بھی ہے کہ چونکہ کانفرنس کی کارروائی زیادہ تر انگریزی میں ہوتی تھی اس لئے اس میں شرکت انگریزی نہ جاننے والے حضرات کے لئے گرانی کا باعث تھی، البتہ ہاں! مولانا مودودی کو کہیں نہیں دیکھا۔ وہ مدعو تو ضرور ہوں گے، لیکن اس زمانہ میں علیل تھے اس لئے شریک نہ ہوسکے[1] میں نے مزید کہا کہ جب عالم اسلام کے اکابر علماء و فضلاء اور شیخ الازہر ایسے بلند مرتبت زعماءِ دین اس کانفرنس میں شریک ہوگئے اور سب تعریف کرتے ہوئے گئے تو پھر آپ کو اس بات کا کیا غم کہ پاکستان سے کون شریک ہوا اور کون شریک نہیں ہوا۔

مولانا کوثر نیازی کے متعلق ایک سوال

اب انھوں نے مولانا کوثر نیازی کی نسبت میرے تاثرات پوچھے، میں نے وہی باتیں کہیں جن کا اظہار میں برہان میں

---

[1] چنانچہ شاہ ایران کی آمد کے موقع پر جو سرکاری دعوت ہوئی تھی اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی مدعو تھے، اور اگرچہ دوسری مخالف پارٹیوں نے اس دعوت کا بائیکاٹ کردیا اور اس میں شریک نہیں ہوئے، لیکن مولانا مودودی نے حزب مخالف کی حیثیت سے اس ضیافت میں شرکت کی اور جہاں دوسری مخالف پارٹیوں کو اخبارات نے سخت برا بھلا کہا انھوں نے مولانا مودودی کے اس موقف کی تعریف کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر چکا ہوں، اس پر ایک نوجوان نے کہا: وہ پہلے تو جماعت اسلامی کے ممبر تھے میں نے کہا ہوں گے! مجھے اس کا علم نہیں ہے، میں تو وزارت میں آنے سے پہلے انھیں بحیثیت ایک ادیب، صحافی اور مقرر کے جانتا تھا لیکن جو کچھ آپ کہتے ہیں اگر یہ صحیح بھی ہے تو اس سے مولانا کی منقصت کیسے لازم آگئی کیونکہ جماعت اسلامی حق کا مدار نہیں ہے، مولانا امین احسن اصلاحی جیسے کتنے ہی مسلمہ طور پر دیندار اور صاحب فکر و نظر حضرات ہیں جو ایک زمانہ تک جماعت سے وابستہ رہے اور پھر اپنی فہم و بصیرت کے مطابق وہ اس سے الگ ہو گئے، مولانا نیازی اگر پہلے جماعت سے وابستہ تھے تو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے جذبہ سے ہی ہوں گے اور ان میں یہ جذبہ اب بھی ہے، پہلے ان کے لئے خدمت دین کا دائرہ بہت محدود تھا، آج یہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اسلام اور مسلمانوں کی وہ عظیم الشان خدمات انجام دے سکتے ہیں جو جماعت سے وابستگی کی صورت میں ہرگز انجام نہیں دے سکتے تھے، لیکن مسلمانوں کی یہ ذہنیت بڑی افسوسناک ہے کہ وہ حکومت کو ایک گندہ تالاب سمجھتے ہیں، جو اس میں داخل ہوا اُن کے نزدیک ناپاک ہو گیا، حالانکہ حکومت ملک و قوم کی خدمت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ہاں اس میں شبہ نہیں کہ گذشتہ زمانہ میں آپ لوگوں کو بڑے تلخ تجربات ہوئے ہیں، لیکن اچھے برے کہاں نہیں ہوتے، کسی ادارہ میں برے لوگوں کے گھس آنے کے باعث وہ ادارہ برا نہیں ہو جاتا، ہندوستان ہو یا پاکستان ہر جگہ قومی حکومتیں قائم ہیں، لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام ہونا چاہیئے، اور حکومت کو غلط راستے پر پڑ جانے سے بچانے کے لئے پارلیمنٹ اور اسمبلی میں ایماندار، سچے اور صائب الرائے نمائندوں کو بھیجنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

گفتگو یہاں تک ہوئی تھی، ساڑھے چار ہو گئے تھے کہ مونا نے یاد دلایا کہ پانچ بجے تک مجھے فلاں جگہ حسب وعدہ پہونچنا ہے، اس لئے میں نے طلبار سے اجازت لی، رخصت ہوتے وقت ان سب نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی گفتگو سے ہم کو بہت فائدہ ہوا ہے کاش! آپ یہ تقریر مجمع عام میں کرتے۔

(باقی)

© rasailojaraid.com